امانت کا مضمون بہت ہی اہم ہے سچے مومن وہ ہیں جو ہمہ وقت اپنی امانتوں اور عہدوں پر نگاہ رکھتے ہیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ 4 ستمبر 1998ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انورؒ نے درج ذیل آیات کریمہ کی تلاوت کیں:

وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ (المعارج:33 تا36)

پھر فرمایا:

یہ وہی مضمون ہے جو میں نے جرمنی کے گزشتہ خطبہ میں ہمبرگ کے خطبہ میں شروع کیا تھا اور وقت کی کمی کی وجہ سے میں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ انشاء اللہ اگلے جمعہ پر جو لندن میں ہوگا میں اسی مضمون کو جاری رکھوں گا۔ امانات کا مضمون بہت ہی اہم ہے اور انسان کی روحانی زندگی کی جان اس میں ہے اور اس پہلو سے میں نے حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی احادیث کا انتخاب کیا ہے جو پیچھے بیان نہیں ہوئیں اور ان احادیث میں کچھ نئے پہلو امانتوں کی ادائیگی کے متعلق بیان ہوئے ہیں لیکن سب سے پہلے جن آیات کی میں نے تلاوت کی ہے ان کی مختصر تشریح کرتا ہوں۔

وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ۔ رٰعُوْنَ سے مراد نگہداشت کرنے والے جیسے گڈریا اپنی بھیڑ بکری کی نگہداشت کرتا ہے۔ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ وہ لوگ یعنی سچے

مومن وہ ہوتے ہیں جو اپنی امانتوں اور عہدوں پر ہر وقت کڑی نظر رکھتے ہیں۔ گڈریے کی نظر اگر غافل رہے تو جو اس سرزمین کی حدود ہیں جہاں بکریوں نے چرنا ہے اس سے وہ نکل کر باہر قدم رکھ دیتی ہیں اور خطرے میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ تو بہت ہی خوبصورت بیان ہے کہ سچے مومن تو وہ ہیں جو ہمہ وقت اپنی امانتوں اور عہدوں پر نگاہ رکھتے ہیں کہ کہیں یہ بدک نہ جائیں، کہیں اپنے مقام کو چھوڑ کر کسی اور طرف نہ چلے جائیں۔

وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ: اور وہ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں۔ اب گواہیوں پر قائم رہنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اس کے دو تین معانی ہیں جو میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ اوّل تو گواہیوں پر مضبوطی سے قائم وہی ہوتا ہے جس کی گواہی حقیقت میں سچی ہو۔ جس کی گواہی سچی نہ ہو وہ بیان بدلتا رہتا ہے۔ تو وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ میں یہ ایک صفت ان کی بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ گواہی صرف اسی چیز کی دیتے ہیں جس پر پھر وہ ہمیشہ قائم رہ سکتے ہوں۔ جب بھی پوچھو گے وہی بات کہیں گے جس بات کے وہ گواہ ہیں اور بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ کا یہ بھی مطلب بنتا ہے کہ وہ جو آنکھوں دیکھا ہو وہ بیان کیا کرتے ہیں، جس پر نفس پورے اطمینان کے ساتھ گواہی دے سکتا ہو۔ سُنی سُنائی باتوں کو بیان کرنے والا کبھی بھی اس پر قائم نہیں رہ سکتا۔ پھر جب وہ ایک بیان دیتے ہیں تو اس کو لوگوں کے ڈر سے بدلتے نہیں۔ بعض دفعہ لوگ سچے بیان کو بھی لوگوں کے ڈر سے بدل دیتے ہیں جب ایک دفعہ بیان بدلا جائے تو اس کی کوئی بھی قیمت نہیں رہتی۔

اب امریکہ میں جو پریذیڈنٹ کلنٹن کے ساتھ واقعات ہو رہے ہیں وہ یہی واقعات ہیں، بیان بدلنے والے۔ جب بیان بدل دیا جائے تو پہلے بیان کا بھی کوئی اعتبار نہیں اور دوسرے بیان کا بھی کوئی اعتبار نہ رہا اور امریکہ کی عدلیہ اب اسی مخمصہ میں پھنس گئی ہے کہ جن سے بیان بدلوایا گیا تھا ان کا پہلا بیان سچا تھا یا دوسرا سچا تھا اور وہ عورتیں حلفیہ گواہی دیتی ہیں کہ ہمارا پہلا بیان جھوٹا تھا یہ بیان سچا ہے۔ تو خواہ جو مرضی حلف اٹھائیں۔ جب حلف اٹھا کر کہہ دیا کہ پہلا بیان جھوٹا تھا تو پھر اگلے کا بھی اعتبار نہ رہا اور یہی حال پریذیڈنٹ کلنٹن کا بھی ہے۔ وہ بھی حلف اٹھا کر کہہ رہے ہیں کہ جو میں نے پہلے بات کی تھی اس میں کچھ چھپایا تھا اور کھولتے نہیں کہ کیا چھپایا تھا۔ تو عجیب و غریب حال میں انسان مبتلا ہو جاتا ہے اگر قرآنی آیات کی بنیادی نصائح کو نظر انداز کر دے جو ہر کس و ناکس کے لئے برابر ہیں۔

یہاں مومنوں کی جو صفت بیان فرمائی گئی ہے یہ مطلب نہیں کہ غیر مومنوں کے لئے یہ طریق کار مفید نہیں ہوگا۔ مومنوں کو بنی نوع انسان کے لئے نمونے کے طور پر پیش فرمایا گیا ہے۔ اگر تم نمونہ پکڑنا چاہتے ہو، اگر امانتوں کا حق ادا کرنا چاہتے ہو، اگر اپنے عہدوں پر نگران رہنا چاہتے ہو تو پھر مومنوں سے سیکھو۔ حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو یہاں بطور نمونہ بنی نوع انسان کے لئے پیش فرمایا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ: وہ نمازوں کی حفاظت کیوں کرتے ہیں، عہد کا اس سے کیا تعلق ہوا؟ دراصل سب سے پہلا عہد ان کا خدا سے ہوا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنے کی خاطر اور اس کی امانت اس کو واپس کرنے کے لئے وہ نمازوں کی حفاظت اس طرح کرتے ہیں کہ نمازیں ان کی حفاظت کر رہی ہوتی ہیں۔ یہاں جو يُحَافِظُ کا صیغہ استعمال فرمایا گیا ہے یہ دوطرفہ عمل کرنے والا صیغہ ہے۔ وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں اور نمازیں ان کی حفاظت کرتی ہیں اور یہ امر واقعہ ہے کہ جتنا کوئی اپنی نمازوں کی حفاظت کرے گا اسی قدر نمازیں اس کی حفیظ بن جائیں گی، اس کی حفاظت کرنے والی ہو جائیں گی۔

اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ: یہی وہ لوگ ہیں جو اعزاز والی جنتوں میں داخل کئے جائیں گے۔ اب قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کا ایک یہ بھی نشان ہے کہ اُولٰٓئِكَ پہ حصر کرنے کے باوجود صرف یہ نہیں فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جو جنت میں داخل کئے جائیں گے جبکہ قرآن کریم کی دوسری آیات بہت سے کمزور لوگوں کے متعلق بھی خبر دیتی ہیں کہ بہت سی کمزوریوں کے باوجود وہ جنتوں میں داخل کئے جائیں گے مگر جنتوں کے ساتھ یہ شرط رکھ دی مُّكْرَمُوْنَ وہ اعزاز کے ساتھ جنتوں میں داخل کئے جائیں گے یعنی جنتیں مکرم نہیں مگر ان کی وجہ سے جنتیں بھی مکرم بن جاتی ہیں۔ جس جگہ داخل ہونے والے معزز لوگ ہوں وہ جگہ بھی عزت والی بن جاتی ہے۔ مکان کو مکین سے شرف حاصل ہوا کرتا ہے۔ پس اس پہلو سے میں اس کے دونوں معنے جائز سمجھتا ہوں کہ وہ اعزاز کے ساتھ، بڑی عزت اور احترام کے ساتھ جنتوں میں داخل کئے جائیں گے۔ ہر کس و ناکس جس کو جنت کا انعام ملے گا اس پر یہ مضمون صادق نہیں آتا لیکن جن کی صفات اوپر بیان کی گئی ہیں ان پر یہ مضمون بعینہٖ صادق آتا ہے۔

یہ وہ آیات تھیں جن کے تعلق میں میں نے اپنے خطبہ کو تشکیل دیا تھا۔ اسی تعلق میں ایک اور آیت بھی ہے یا چند اور آیات بھی ہیں سورۃ المومنون کی آیات 9 تا 12، ان میں بھی یہی مضمون ہے مگر کسی قدر فرق کے ساتھ۔

وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ: وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہدوں پر ہمہ وقت نگران رہتے ہیں۔ وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ: اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت اس طرح کرتے ہیں کہ وہ ان کی حفاظت کر رہی ہوتی ہیں۔ آگے جو ایک آیت ہے یہ پیچھے جو مضمون ہے اس میں اضافہ کر رہی ہے۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ یہ جنت کو ورثے میں پائیں گے۔ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ: یہاں فردوس کا ذکر ہے مُّكْرَمُوْنَ کا ذکر نہیں ہے یعنی مُّكْرَمُوْنَ کی جنت کا ذکر نہیں بلکہ فِرْدَوْس کا ذکر ہے۔ اس لئے سرسری نظر سے پڑھنے والا دونوں کو ایک ہی مضمون سمجھ لیتا ہے حالانکہ ان دونوں میں فرق ہے۔

فِرْدَوْس بھی ایک بہت اعلیٰ درجہ کی جنت کا نام ہے مگر وَارِثُون کہہ کر یہ فرمایا کہ گویا وہ جنت کو ورثے میں پائیں گے۔ جیسے ورثے کا حق رکھنے والا لازماً سب سے زیادہ حق دار ہوتا ہے اس کا جو ورثہ چھوڑا گیا ہو۔ تو اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ یہ جنت کو ورثے میں پائیں گے۔ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ جس کو فِرْدَوْس ورثے میں ملے گی۔ فِرْدَوْس بھی ایک بہت اعلیٰ درجہ کی جنت کا نام ہے مگر مُّكْرَمُوْنَ میں جس جنت کا ذکر ہے اس کا اور اس کا فرق ہے۔ مُّكْرَمُوْنَ والی جنت تو فِرْدَوْس سے بھی بہت اعلیٰ درجہ کی ہے هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے یا ہمیشہ رہنے والے ہونگے۔

اب ان آیات کے تعلق میں جو میں نے چند احادیث حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اختیار کی ہیں ان میں پہلی حدیث مسلم، کتاب الزکوۃ، باب أجر الخازن الأمين سے لی گئی ہے۔ یہ روایت حضرت ابوموسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

”وہ مسلمان جو مسلمانوں کے اموال کا نگران مقرر ہوا اگر دیانت دار ہے اور جو اسے حکم دیا جاتا ہے اسے صحیح صحیح نافذ کرتا ہے اور جسے کچھ دینے کا حکم دیا جاتا ہے اسے پوری بشاشت اور خوش دلی کے ساتھ اس کا حق سمجھتے ہوئے دیتا ہے تو ایسا شخص بھی عملاً صدقہ دینے والوں کی طرح صدقہ دینے والا شمار ہوگا۔“

(صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب اجر الخازن الامین، حدیث نمبر: 2363)

اب یہ ایک بہت ہی لطیف نصیحت ہے جسے بہت سے لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں اور میرے تجربہ میں ایسے لوگ آئے ہیں جنہوں نے جب اس بات کو نظر انداز کیا تو ان کی خساست خود ان کے نفس کے خلاف غالب آ گئی۔ اور بہت سے مراتب سے وہ محروم رہ گئے۔ پس حضرت رسول اللہ ﷺ جس باریک نظر سے چیزوں کا مطالعہ فرماتے ہیں اور ہمارے سامنے کھول کھول کر رکھتے ہیں انہیں سمجھنے کے بعد غور کرنا چاہئے کہ کیا فرمانا چاہتے ہیں حالانکہ لوگوں کا عام خیال ہے کہ جس کو حکم دیا جاتا ہے وہ کرتا ہے وہ اس کے لئے صدقہ جاریہ کیسے ہو گیا۔ ایک آدمی کو آپ جو حکم دیتے ہیں وہ کرتا ہی ہے لیکن پوری بشاشت اور خوش دلی کے ساتھ ایسا کرے یہ ایک زائد شرط ہے۔ بعض لوگ جب یہ سنتے ہیں کہ فلاں شخص کو کچھ رقم دلوا دو تو ان کے نزدیک وہ شخص حق دار نہیں ہوتا اور میرے نزدیک حق دار ہوتا ہے۔ میرے نزدیک حق کے پیمانے مختلف ہیں۔ بعض لوگ محض دلجوئی کی خاطر مدد دئے جاتے ہیں، بعض لوگ اس مدد کے نتیجہ میں دین کے زیادہ قریب آجاتے ہیں۔ مؤلفة القلوب کا بھی تو ایک مضمون ہے مگر جو لوگ باریکی سے ان باتوں کو نہیں دیکھتے وہ سمجھتے ہیں کہ میرا فیصلہ ہی غلط تھا یہ آدمی کس طرح لائق ہو گیا کہ اس کو جماعت کی طرف سے مدد دی جائے۔ اور پھر ان کو یہ بھی نہیں پتا ہوتا کہ وہ مدد جماعت کی طرف سے دی جارہی ہے یا میری ذاتی طرف سے دی جارہی ہے یا کسی ایسے فنڈ سے دی جارہی ہے جس کا جماعت کے حساب میں کوئی ذکر بھی نہیں۔ ان سارے امور سے لاتعلقی کے نتیجہ میں وہ اپنی جگہ معاملہ فہم بن کر فیصلہ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ایسے ہی ایک شخص کے متعلق مجھے بہت افسوس ہوا کہ میں نے اس کو کہا کہ فلاں شخص کو یہ رقم دے دو۔ اس نے اپنی جیب سے نہیں دینی تھی، رقم اسے مہیا کر دی گئی تھی لیکن مدتوں ٹالتا رہا، نہیں دی۔ آخر جب کمیشن بیٹھا اور جواب طلبی کی گئی تو یہ جواب دیا کہ یہ تو حق دار ہی نہیں ہے۔ کمیشن نے کہا تم زیادہ جانتے ہو یا خلیفۂ وقت جانتا ہے جس نے رقم مہیا کی۔ اگر اس نے بے وقوفی کی ہے تو وہ خدا کو جوابدہ ہے تم نے تو حکم ماننا تھا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے یہ شرط لگائی پوری بشاشت اور خوش دلی کے ساتھ اس کا حق سمجھتے ہوئے دیتا ہے۔ جس کا حق آنحضرت ﷺ نے قائم فرما دیا یا بالا عہدیدار، امیر نے مثلاً قائم کر دیا تو نچلے عہدیداروں کا ہرگز یہ کام نہیں ہے کہ اس میں روک بن جائیں اور اپنی خساست اس صدقہ کی راہ میں حائل کر دیں، اپنی کنجوسی کو صدقہ کا رستہ روک دینے والا بنا دیں۔ اگر ایسا کریں گے تو وہ بھٹکتے بھٹکتے کہیں اور پہنچ سکتے ہیں۔

فرمایا ایسا شخص بھی عملاً صدقہ دینے والے کی طرح صدقہ دینے والا شمار ہوگا۔ اس سے زیادہ اور کیا تحریص ہوسکتی ہے۔ اپنے پلّے سے کچھ بھی نہیں دینا پڑا اور جس کو صدقہ دیا صرف یہ شرط ہے بشاشت سے دو اور تم ویسے ہی ہو جاؤ گے جیسے صدقہ دینے والے نے صدقہ دیا۔ اسی طرح تم بھی اس صدقہ کے ثواب میں شریک ہو جاؤ گے۔ اب بشاشت سے دینے کا مضمون بھی خاص طور پر پیش نظر رہنا چاہئے۔ اگر کسی کو کچھ دیا جائے اور منہ بسور کر دیا جائے، ماتھے پر بل پڑے ہوئے ہوں تو اگر وہ سخت مجبوری کی وجہ سے لینے پر مجبور بھی ہو تو اس کا دل بہت دُکھی ہو جائے گا۔ وہ کہے گا میرے حالات کی مجبوری ہے میں لے تو رہا ہوں مگر اس شخص نے جس طریقہ پہ دیا ہے لینے کو دل نہیں چاہتا۔ چنانچہ ایسے بھی میرے علم میں ہیں جن کو جب اس طرح دیا گیا تو انہوں نے واپس کر دیا اور یہ نہیں سوچا کہ یہ جو ان کو رقم مہیا کی جارہی تھی اس کی طرف سے نہیں تھی بلکہ میری طرف سے تھی لیکن یہ ان کی نفسیاتی مجبوری ہے۔ دینے والا ہاتھ نظر آرہا ہے، دینے والے چہرے کو وہ دیکھ رہے ہوتے ہیں اگر وہ پوری بشاشت سے نہ دے رہا ہو تو لازماً دل پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ تو حضور اکرم ﷺ نے یہ شرط لگا دی کہ پوری بشاشت کے ساتھ دو تا کہ لینے والے کا دل بھی راضی ہو، وہ خوش ہو کہ مجھے خوش خوش ایک چیز دی جارہی ہے۔ پس یہ بہت ہی باریک رستے ہیں تقویٰ کے جن کا مضمون حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ ہمیں سمجھاتے ہیں اور آپ ﷺ کے سوا اور کوئی اس طرح نہیں سمجھا سکتا۔

ایک روایت عبادہؓ بن صامت سے لی گئی ہے۔ ''عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ۔'' حضرت عبادہ بن صامتؓ کی یہ روایت مسند احمد بن حنبل سے لی گئی ہے۔ حضرت عبادہؓ بن صامت سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''تم مجھے اپنے نفس سے چھ چیزوں کی ضمانت دو تو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''

بہت ہی عمدہ سودا ہے، عظیم الشان سودا ہے۔ رسول اللہ ﷺ جس کو جنت کی ضمانت دیں ممکن ہی نہیں کہ اسے جنت نصیب نہ ہو اور یہ بات آنحضرت ﷺ، اللہ کی منشاء کے بغیر بیان نہیں کر سکتے کیونکہ آپ ﷺ تو جنتیں تقسیم کرنے والے نہیں تھے۔ اللہ نے آپ ﷺ کو جس چیز میں جتنا مختار بنایا تھا آپ ﷺ اسی کی امانت کا حق ادا کرتے تھے۔ تو امانتوں کی گفتگو ہو رہی ہو اور ان

جنتوں کی ضمانت دے رہے ہوں جن کی ضمانت دینا آپ ﷺ کے اختیار میں نہ ہو، یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ پس لازماً یہ حدیث قدسی ہے ان معنوں میں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اجازت دی کہ یہ باتیں کہو اور ضامن ہو جاؤ۔ پس رسول اللہ ﷺ کی ضمانت کے بعد اب غور سے سنیں کہ وہ کیا چھ باتیں ہیں۔

''جس وقت بات کرو سچ بولو۔''

اب یہ بات جو ہے یہ کتنی آسان اور کتنی مشکل ہے۔ جس وقت بات کرو سچ بولو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ہمیشہ بات کرنے سے پہلے رک کر سوچنا چاہئے کیونکہ انسان کا نفس بہت سی جھوٹ کی ملونی کر دیا کرتا ہے، وہ ملاوٹ شامل ہوتی چلی جاتی ہے اور وہ سچ نہیں رہتا۔ تو پہلی بات ہی کتنی آسان اور کتنی مشکل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ کرو تو میں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ مگر پانچ اور باتیں بھی ہیں لیکن حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے ایک شخص کو صرف سچ کی ہدایت کی تھی اور اس سے وعدہ لیا تھا کہ سچ بولو گے اور اس کا انجام یہ ہوا کہ اس کی ساری بدیاں دور ہو گئیں اور ساری نیکیاں اور حسنات اس کو عطا ہو گئیں۔ تو ان میں سے ایک ایک آپ ﷺ کا فقرہ اس کا ایک ایک لفظ تولنے کے لائق ہے یعنی دل میں اس کو تولیں اور پھر دیکھیں اس کا کتنا وزن ہے۔

''جب تم وعدہ کرتے ہو تو اسے پورا کرو۔''

اب دراصل یہ سچ بولنے ہی کے آگے شاخسانے ہیں۔ بنیادی چیز حق ہے۔ اگر کوئی انسان سچ بولنے والا ہو تو اس پر لازم ہے کہ جب وہ وعدہ کرے گا تو اسے پورا کرے گا۔

''جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو ادا کرو۔''

اب یہ ساری باتیں سچ ہی کے بطن سے پھوٹ رہی ہیں۔ سچ بنیادی چیز ہے۔ وہ شجرۂ طیبہ ہے جس کو پھل لگ رہے ہیں اور آنحضرت ﷺ ان پھلدار شاخوں کا ذکر فرما رہے ہیں۔

''اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔''

یہ بھی امانت ہے اور اللہ تعالیٰ نے کسی مقصد کے لئے عطا کی ہیں۔ اس لئے امانت کا مضمون یہاں بھی اسی طرح چل رہا ہے۔ پھر فرمایا:

''غضّ بصر کرو۔''

اب غضّ بصر کا جو عموماً ترجمہ سنتے ہیں یا کرتے ہیں یہ ہے کہ ہر وقت آنکھیں نیچی رکھو حالانکہ ہرگز یہ ترجمہ نہیں ہے۔ غضّ بصر سے مراد یہ ہے کہ جب نظر اُچٹتی ہوئی کسی ایسی جگہ پڑے جہاں وہ نفس میں غلط جذبات پیدا کر رہی ہو تو وہاں سے نظریں پھیر لیا کرو اور کسی چہرہ پر اس طرح نظر ڈال کے نہ دیکھو گویا اس کے حسن کی تلاش میں ہو، اس کے بدن کو اس طرح نظر ڈال کے نہ دیکھو کہ گویا اس کی مخفی زینت کے اُبھار کو دیکھ رہے ہو اور اس سے اپنے دل کو ایک قسم کی شہوت کی تسکین دے رہے ہو۔ اس کا نام ہے غضّ بصر اور شرمگاہوں کی حفاظت کے ساتھ اس کا گہرا تعلق ہے۔ پھر چھٹی بات یہ فرمائی:

''اور اپنے ہاتھوں کو روک کر رکھا کرو۔''

(مسند احمد بن حنبل، باقی مسند الانصار، حدیث عبادۃ بن الصامت، مسند نمبر: 22757)

اب ہاتھوں کو روک کر رکھنے کا کیا مطلب ہے؟ پہلی پانچ باتیں تو بالکل صاف سمجھ آ رہی ہیں اب ہاتھوں کو کیوں روکو۔ دراصل جن لوگوں کو عادت ہو کہ وہ مغضوب الغضب ہوں اور بات سوچتے نہیں اور تولتے نہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ کس حد تک ان کا حق ہے کسی کو بدنی سزا دینے کا، کس حد تک نہیں ہے، ان کا ہاتھ از خود چلتا ہے۔ اور بار بار نصیحت کے باوجود جن کو عادت ہو وہ عادت بدل نہیں سکتے۔ وہ مائیں جن کو عادت ہے کوئی بچہ ذرا سی حرکت کر رہا ہے تو ایک دم اس پر ہاتھ مار کے اس کو کھینچتی ہیں یا تھپڑ مار دیتی ہیں اور اس وقت ان کو یہ بھی احساس نہیں ہوتا کہ ملاقات میں بیٹھے ہوئے ہیں، کیا بداثر پڑ رہا ہے۔ ایک بدتمیزی ہے کہ ملاقات کر رہے ہوں اور اپنے بچوں سے ایسی بدسلوکی کر رہے ہوں اور دماغ میں ان کے یہ ہوتا ہے کہ میرے سامنے یہ حرکت کر رہا ہے اور مجھ پر بداثر پڑے گا حالانکہ یہ بھی ایک دکھاوا ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق جب میں گہری نظر سے دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ گھروں میں ان کو چھٹی دی ہوئی ہے ورنہ وہ باہر بھی ایسی حرکتیں نہ کریں۔ گھروں میں یہ عادت ہے جو مرضی کرتے پھریں اور جب ان کی یہ عادت پختہ ہو چکی ہو، راسخ بن گئی جب وہ ملاقات کے وقت ظاہر ہوتی ہے تو اپنے نفس سے شرمندگی مٹانے کے لئے، اپنی بدی پر پردہ ڈالنے کے لئے اس پر سختی کرتے ہیں۔ اور بعض دفعہ بچہ اس قدر گھور کے واپس دیکھتا ہے کہ تم وہی چیز ہو جو گھروں میں تو مجھے چھٹی دی ہوئی تھی کہ جو مرضی کرتا پھروں اور اب تم یہاں مجھ سے یہ سلوک کر رہے ہو۔ ان کی آنکھوں میں اتنا قہر آتا ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ کس طرح کوئی پلٹ کے اپنی ماں کو اس قدر غصّہ اور قہر سے دیکھ

سکتا ہے مگر وہ بے چارے بولتے تو نہیں مگر آنکھیں بتا دیتی ہیں، چہرہ بتا دیتا ہے کہ ان سے کیا ہوا ہے۔ تو چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی اس نصیحت پر غور کرنے سے ان تک رسائی ہو جاتی ہے۔ فرمایا ہاتھ روک کر رکھو۔، جب ہاتھ چلنے لگے اسی وقت روک لو پھر غور کرو پھر فکر کرو کہ کیا معاملہ ایسا تھا کہ اس میں تم ہاتھ اٹھاتے یا نہ اٹھاتے۔ یہ چھ باتیں فرمائیں، ان کا تم مجھ سے وعدہ کرو تو میں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ اب بتائیں جنت کی ضمانت کے سوا اور کیا ضمانت ہو سکتی ہے ایسے شخص کو لیکن مرکزی نکتہ وہی ہے جو میں نے عرض کیا ہے کہ جڑیں سچائی میں ہیں اور بعض احادیث میں رسول اللہ ﷺ اس مضمون کو بھی کھولتے ہیں۔

اب ایک اور بہت ہی دلچسپ اور بہت اہمیت رکھنے والا معاملہ ہے جس کو بسا اوقات سوسائٹی میں نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ حضرت عبدالرحمن ؓ بن سعد سے روایت ہے، سنن ابی داؤد سے لی گئی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی امانت یہ شمار ہوگی۔''

اب بڑی امانت کا لفظ سنتے ہی ذہن میں بہت سی بڑی بڑی امانات کا خیال گزرتا ہے لیکن آگے بات سنیں کیا ہو رہی ہے۔

''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی امانت یہ شمار ہوگی کہ ایک آدمی اپنی بیوی سے اور بیوی اس سے تعلقات قائم کر چکے ہوں پھر وہ بیوی کے راز لوگوں میں بیان کرتا پھرے۔''

(سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی نقل الحدیث، حدیث نمبر: 4870)

اب یہ بڑی امانت کیوں ہے۔ اس لئے کہ اللہ کے حکم پر اسے یہ اجازت دی گئی تھی کہ ایک عورت سے خلا ملا کرے، اپنے فروج کی حفاظت والا مضمون پیش نظر رکھیں تو پھر اس کی سمجھ آئے گی۔ یہاں ایک عورت نے اپنے بدن کو ایک غیر شخص کے لئے محض اس لئے کھولا کہ اللہ نے اجازت دی تھی اور اللہ کی امانت کا حق ادا کرنے والی تھی۔ اس کے اندرونی حسن تک کسی غیر کی رسائی نہیں تھی۔ پس یہ اس معنی میں بہت بڑی امانت بن جاتی ہے اس کے باوجود اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے راز مردوں کی مجالس میں یا کسی خاص دوست سے بیان کرتا پھرے کہ میری بیوی ایسی ہے اور ایسی ہے تو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن وہ ایک بہت بڑی امانت کا خائن شمار کیا جائے گا۔ اور جس کا نتیجہ جہنم ہے۔

یہ معاملہ ایسا ہے جو معاشرہ میں نظر آتا ہے۔ لوگ اس کو بہت معمولی سمجھتے ہیں اور دو طرح سے یہ باتیں ہیں جن کو نظر انداز کر کے معاشرہ میں کس گھول دیا جاتا ہے۔ اوّل تو بعض لوگ محض شوقیہ بتاتے ہیں، اپنے دوست کو بتائیں گے کہ مجھے کیسی اچھی بیوی مل گئی ہے یا بعض دفعہ اس کی کمزوریاں ظاہر کر دیتے ہیں کہ میری بیوی تو ایسی نکلی ہے۔ دونوں صورتیں بہت گندی اور معاشرہ کو خراب کرنے والی ہیں لیکن ایک تیسری صورت بھی ہے وہ یہ ہے کہ جب تک آپس میں اکھٹا رہیں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے، کسی کو کچھ نہیں بتاتے، جب الگ ہو جائیں، طلاق ہو جائے یا خلع ہو جائے کسی صورت میں الگ ہو جائیں تو پھر ان کو یاد آتا ہے کہ اس میں یہ اندرونی نقص بھی تھے۔ چنانچہ میں ان باتوں کا ذکر نہیں کر رہا جس میں وہ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ہم سے بدسلوکی کی یا حقوق ادا نہیں کئے۔ اندرونی نقائص اس میں کیا تھے۔ مرد میں اندرونی نقص کیا تھا، عورت میں اندرونی نقص کیا تھا یہ باتیں وہ بیان کرتے ہیں پھر۔ اور جب یہ باتیں میرے علم میں آتی ہیں تو میں ان کو کہتا ہوں کہ آپ کو کوئی حق نہیں ایسی باتیں مجھ تک پہنچانے کا جو اللہ کی امانت ہیں۔ آپ خیانت میں مجھے بھی شریک کر رہے ہیں۔ اگر میں آپ کی باتیں سن لوں اور اس معاملہ میں ان کو رڈ کر کے آپ کو بھی ساتھ ردّ نہ کروں تو میں بھی خائن بن جاؤں گا۔ اس لئے شادی چاہے قائم ہو یا ٹوٹ چکی ہو یہ وہ امانتیں ہیں جنہیں بہر حال ادا کرنا ہے۔ کوئی بیوی اپنے خاوند کے اندرونی عیوب ظاہر نہ کرے، کوئی خاوند اپنی بیوی کے اندرونی عیوب ظاہر نہ کرے کیونکہ اللہ کی امانت ہے جس امانت کے وہ ذمہ دار ہیں اور جواب دہ ہوں گے۔

پس ان باتوں کو چھوٹا نہ سمجھیں اور بہت اہمیت دیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر وہ بیوی کے اسرار لوگوں میں بیان کرتا پھرے یہ قیامت کے دن سب سے بڑی خیانت سمجھی جائے گی۔ یہاں مرد کا ذکر نہیں ہے مگر قرآن کریم کی بعض آیات سے دوسرا مضمون بھی ثابت ہے کہ جب تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو تو پھر تم لوگوں کو شرم کرنی چاہئے کہ ان باتوں کو کیوں لوگوں پر کھولتے ہو شاید یہ بھی وجہ ہو کہ عورتوں میں نسبتاً یہ کم بیماری ہو، مردوں میں زیادہ ہو۔ ایسی بے شرمی کی باتیں عورتوں کی طبعی حیا کے خلاف ہوں اس لئے یہ ایک قسم کا Compliment بھی ہے عورتوں کو، ان کی ایک تعریف بھی ہے کہ تم سے زیادہ مردوں میں یہ نقص پایا جاتا ہے۔ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ عورتیں کہتی ہیں آپ ہمارے نقص ہی بتاتے رہتے ہیں مَردوں کے نہیں بتاتے مگر اگر وہ غور سے خطبہ سنا

کریں تو ان کو معلوم ہوگا کہ مردوں کے بھی بتاتا ہوں اور کیوں نہ بتاؤں کیونکہ رسول اللہ ﷺ عدل کے نہایت اعلیٰ مقام پر تھے جس سے اوپر عدل کا مقام ممکن نہیں ہے۔ آپ ﷺ ہمیشہ دونوں کی باتیں بتایا کرتے تھے اور میں تو وہی باتیں کہتا ہوں جو آنحضرت ﷺ عمر بھر فرماتے رہے۔

اب بخاری کتاب الرقاق سے ایک حدیث لی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''جب امانتیں ضائع ہونے لگیں تو قیامت کا انتظار کرنا۔ سائل نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان کے ضائع ہونے سے کیا مراد ہے۔ فرمایا جب نااہل لوگوں کو حکمران بنایا جائے تو قیامت کا انتظار کرنا۔''

(صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب رفع الأمانة۔ حدیث نمبر: 6496)

اس کا ایک پہلو تو میں پہلے جرمنی میں بیان کر چکا ہوں کہ اس میں جماعتی عہدیداروں کو بھی یہی نصیحت ہے کہ جو امانتیں ان کے سپرد ہیں اس کے مطابق اچھے عہدیدار چنیں۔ اگر انہوں نے یہ ذمہ داری ادا کرنی چھوڑ دی تو ساعت ان معنوں میں آئے گی کہ نظام جماعت یکسر پلٹ جائے گا اور گویا قیامت آ گئی۔ لیکن جو دوسرا معنی ہے اس میں إِذَا أُسْنِدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ۔ جب کوئی امر لوٹایا جائے کسی کو یعنی حکومت عطا کی جائے عوام الناس کے مشورے اور ان کے ووٹوں سے اور وہ اس کا اہل نہ ہو تو پھر ساعت کا انتظار کرنا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پھر اس کے بعد قیامت آ جائے گی۔ ساعت سے مراد بہت سی باتیں ہیں جن کا اہل لغت ذکر کرتے ہیں۔ ایک ساعت سے مراد یہ ہے کہ معاشرہ پر گویا قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ اگر تم نے غلط عہدیداروں کو چن لیا تو پھر ہمیشہ نظام بگڑتا چلا جائے گا اور ان معنوں میں ساعت کا یہ مطلب ہوگا کہ چونکہ ساعت شریر لوگوں پر آنی ہے اور اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے واضح خبر دی ہوئی ہے تو تمہارا معاشرہ ذلیل سے ذلیل تر اور شریر سے شریر تر ہوتا چلا جائے گا۔ یہ دوسرا معنی بھی بعینہٖ درست بنتا ہے یہاں تک کہ ان کی پکڑ کا وقت آ جائے گا۔ اب اس مضمون کو آپ اپنے ذہن میں دہرا کر ایسے معاشروں کا تصور کر سکتے ہیں جہاں یہی قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ دن بدن بد سے بدتر حالات صرف اس لئے ہو رہے ہیں کہ عوام الناس نے اپنے عہدیداروں کا انتخاب کرتے وقت امانت کا حق ادا نہیں کیا۔ جب امانت کا حق ادا نہیں کیا تو پھر اللہ تعالیٰ بھی ان سے خائن والا معاملہ کرتا ہے جس کی تفصیل اس حدیث میں بیان ہوئی ہے۔

اب ایک اور روایت ہے جو عبداللہؓ بن عمرو سے مروی ہے:

''قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: " كَيْفَ أَنْتَ إِذَا بَقِيتَ فِي حُثَالَةٍ مِنَ النَّاسِ؟ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، كَيْفَ ذَلِكَ۔ حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ جب تو رذیل اور کمینے لوگوں میں ہوگا تو اس وقت تیرا کیا حال ہوگا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیسے ہوگا کہ میں رذیل اور کمینے لوگوں میں ہوں گا۔''

اب اس میں ایک اور بھی خبر تھی جس کی طرف عموماً لوگوں کی نظر نہیں جاتی۔ یہ جس کو مخاطب فرمایا اس کی لمبی عمر کی خوشخبری بھی تھی اور یہ بدخبر بھی تھی کہ اس لمبی عمر کے نتیجہ میں تو اچھے لوگوں سے نکل کر ایک ایسے دور میں داخل ہو جائے گا جس میں اکثریت کمینوں کی ہوگی۔ تو یہ واقعہ بہت لمبی عمر پانے کے نتیجہ میں ہو سکتا تھا۔ پس یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی سچائی اور مخبر صادق ہونے کی بھی ایک دلیل ہے۔ کیسے ہوگا؟

''آپ ﷺ نے فرمایا جب ان کے عہد فاسد ہو جائیں گے، امانتیں اٹھ جائیں گی اور وہ باہم اس طرح ہو جائیں گے۔''

انگلیاں انگلیوں میں ڈال دیں یہ انگلیاں مل نہیں سکتیں جتنا مرضی زور لگالیں، تو ان کے درمیان اتنے فاصلے بڑھ جائیں گے، ایسی روکیں حائل ہو جائیں گی کہ ان کو ملانے کی کوشش بھی کی جائے تو نہیں ملا سکو گے اور ایسے لوگ جو پھٹ جایا کرتے ہیں ان کو ملانے کی ہر کوشش ناکام ہو جایا کرتی ہے۔ اب دیکھ لیں کیسی عمدہ تمثیل کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے ایسی بدقوموں کا حال بیان فرمایا ہے جن کی امانتیں اٹھ چکی ہوں، جن کے عہد فاسد ہو چکے ہوں، ان کے دل لازماً پھٹتے ہیں ناممکن ہے کہ پھر ان کو اکٹھا رکھا جا سکے اور اس طرح پھٹتے ہیں کہ لوگ بڑے بڑے دعوے کریں گے، کوشش کریں گے، بورڈ تشکیل دئے جائیں گے کہ قوم کو دوبارہ اکٹھا کرنے کے لئے کوئی ذرائع تجویز کرو اور بعض جگہ شریعت بل بھی لائے جائیں گے جو اکٹھا کرنے کی بجائے اور بھی زیادہ پھاڑ دیں گے قوم کو۔ تو یہ حال ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ہر پیشگوئی سو فیصد سچی نکلتی ہے۔ اپنی ساری تفصیلات کے ساتھ سچی نکلتی ہے۔ یوں فرمایا یہ حال ہوگا۔

’’اس وقت راوی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت مجھے کیا کرنا چاہئے۔‘‘

یعنی میں بھی تو ان لوگوں میں ہوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں تیرا کیا حال ہوگا جب تو کمینے لوگوں میں جائے گا؟ تو سارا معاشرہ اگر اس قدر گندا ہو چکا ہوگا تو اس وقت میرا کیا حال ہوگا مجھے کیا کرنا چاہئے۔

’’آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا اور جس بات کے بارے میں تجھے اچھی طرح معلوم ہو اسے اختیار کر لینا اور جس چیز کے بارے میں علم نہ ہو اسے چھوڑ دینا۔‘‘

(مسند احمد بن حنبل، مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند عبد اللہ بن عمر، مسند نمبر: 6508)

اب ایسے معاشرے میں غلط خبریں پھیلا کرتی ہیں اور اکثر غلط خبروں کے نتیجے میں معاشرہ اور بھی بگڑتا چلا جاتا ہے۔ تو دیکھیں کتنی برمحل نصیحت فرمائی کہ بہت تم باتیں سنو گے، قسم قسم کی باتیں بیان کی جائیں گی۔ جن کا تمہیں اچھی طرح علم ہو کہ یہ بات درست ہے صرف اس کو قبول کرنا اور باقی ساری باتیں رد کر دینا اور اپنے خاص تعلق رکھنے والوں سے چمٹے رہنا۔

اب یہ نصیحت دیکھیں جماعت احمدیہ پر آج کل کس طرح صادق آ رہی ہے۔ کتنی لطافت کے ساتھ اور کس قدر تفصیل کے ساتھ صادق آ رہی ہے۔ اگر ایسے دور میں لوگ یعنی احمدی آپس میں ایک دوسرے کو چمٹے نہ رہیں، ایک دوسرے سے تعلقات کو گہرا نہ کریں اور کسی قیمت پہ بھی ان تعلقات کو نہ ٹوٹنے دیں تو ان کی تربیت کی اس سے بہتر ضمانت نہیں ہو سکتی اور اگر وہ ایک دوسرے کو نہیں چمٹیں گے تو اس معاشرہ کا لازماً حصّہ بن جائیں گے، اس کی طرف سرکتے چلے جائیں گے۔ میں نے اپنے دوروں میں ہمیشہ دیکھا ہے کہ وہی خاندان اللہ تعالیٰ کے فضل سے بچے رہتے ہیں جن کو اپنے تعلقات کے قیام کے لئے دوسرے احمدیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ بعض اپنے اعلیٰ عہدے چھوڑ کر ایک شہر سے دوسرے شہر میں اس لئے منتقل ہو جاتے ہیں اور مجھے لکھتے بھی ہیں کہ مالی نقصان ہوا ہے لیکن ہمیں کوئی پرواہ نہیں کیونکہ جس جگہ ہم تھے وہاں اکیلے تھے اور بچوں کو توفیق نہیں تھی کہ وہ ہر وقت گھر میں جڑے رہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا ان کی بھی خواہشات ہیں۔ پس ان کی خاطر ہم نے دُنیا پر لات ماری اور ایسی جگہ چلے گئے ہیں جہاں احمدی خاندان ملتے ہیں۔ تو جُڑنے کی خواہش اتنی زیادہ اور یہی نصیحت ہے کہ جب خال خال معاشرے میں اچھے لوگ نظر آئیں گے تو تم اپنے لوگوں کے

ساتھ جُڑ کر بیٹھنا ، ان کے قریب رہنا۔تم ایک دوسرے کا سہارا بنو گے، ایک دوسرے کو غلط اور بداثرات سے بچاؤ گے اوران کے عوام کو چھوڑ دینا، ان سے دور رہنا۔آپس میں چمٹ کر پھر دوسروں سے بھی میل جول میں بے تکلفی یا اندرونی طور پر دلوں کا باہم ملا دینا یہ بیک وقت نہیں چل سکتا۔فرمایا جب تم نیک لوگوں میں آپس میں اکٹھے بیٹھو گے تو غیروں سے سرسری سلام علیک ہوگی۔ان کے ساتھ تمہارے دل مل بھی نہیں سکتے پھر، ناممکن ہے۔ان سے دور رہنا۔دور رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عوام میں نکلنا ہی نہیں۔دلوں کو بچا کے رکھنا یہ مراد ہے۔ان کے اثرات سے دور رہنا۔

اب وقت ابھی ہے تو ایک اور حدیث کو لیتا ہوں جو میں نے تین حصوں میں تقسیم کی ہے۔

’’حَدَّثَنَا حُذَيْفَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ حَدِيثَيْنِ۔حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے سامنے دو حدیثیں بیان کیں۔‘‘

ایک ہی حدیث کے تسلسل میں یعنی ایک ہی روایت میں، ایک ہی کتاب میں چونکہ ان دونوں کا ذکر الگ الگ موجود ہے اور اس میں تھوڑا سا ابہام پیدا ہوتا ہے سننے والے کے لئے ، اس لئے اس روایت کو میں نے تین حصّوں میں تقسیم کر دیا ہے۔پہلا وہ جو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی بات بیان فرمائی تھی۔دوسرا وہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری بات بیان فرمائی تھی۔تیسرا وہ جس میں حضرت حذیفہؓ کا اپنا تبصرہ ہے کہ پھر میں نے کیا کچھ دیکھا اور کس طرح میں نے ان باتوں کو پورا ہوتے دیکھا۔ وہ حدیث نہیں ہے وہ اثر ہے۔ایک صحابی کی باتیں ہیں جنہوں نے حدیث پر تبصرہ کیا ہوا ہے۔ اس پہلو سے اب آپ کے لئے یہ بات سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

’’حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے دو حدیثیں بیان فرمائیں ان میں سے ایک تو میں دیکھ چکا ہوں اور دوسری کا منتظر ہوں۔ آپ نے ہم سے بیان فرمایا (یہ اب حدیث شروع ہو جاتی ہے) کہ امانت لوگوں کے دل کی جڑ یا تہہ میں اتری ہے۔‘‘

اب اس کا کیا مطلب ہے؟ وہ جو میں نے پہلے ایک حدیث میں اشارہ کیا تھا وہ اِسی طرف اشارہ تھا کہ امانت ایک ایسی چیز ہے جو انسانی فطرت میں ودیعت ہوئی ہے جس کے درخت کی جڑیں فطرت انسانی میں پیوست ہیں۔تو دل کی گہرائی میں اتری ہے۔اگر یہ امانت دل کی گہرائی میں نہ اتری ہوتی

تو وہ امانت جس کے ذریعہ اس امانت کے نقوش سمجھنے میں مدد ملنی تھی وہ بیرونی نمونے ایسا انسان سمجھ ہی نہیں سکتا تھا جس کے دل میں امانت موجود نہ ہو۔ پس فطرت کی امانت ایک امانت ہے۔ اور دوسری امانت وہ ہے جو آنحضرت ﷺ پر قرآن کی صورت پر نازل ہوئی اور تیسری امانت وہ ہے جو آنحضرت ﷺ نے خدا تعالیٰ کی امانت کا حق ادا کرتے ہوئے قرآن پر عمل کر کے دکھا دیا۔ یہ دو باتیں ایسی ہیں جو اسی کو سمجھ آسکتی ہیں جس کے دل میں امانت کی جڑ ہو۔ اگر دل سے امانت مٹ چکی ہو تو اسے بیرونی اثرات سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ اس تفصیل کے ساتھ اب یہ دیکھیں۔ فرمایا:

''امانت لوگوں کے دل کی جڑ یا تہہ میں اتری ہے پھر انہوں نے اسے قرآن وسنت کے مطابق پایا۔''

اسے پہچان لیا قرآن اور سنت کے ذریعہ، ورنہ محض اپنے دل میں ڈوب کر اس امانت کے نقوش کو اچھی طرح پہچاننا ہر کس و ناکس کے لئے ممکن ہی نہیں تھا۔ جو لوگ اپنے خیال میں دلوں میں ڈوبتے ہیں اور حقائق تک پہنچتے ہیں ان کے آپس اختلاف بتاتے ہیں کہ کوئی ایک بھی حقیقت پر قائم نہیں تھا۔ ایک نے کچھ اور حقیقت سمجھی، دوسرے نے کچھ اور حقیقت سمجھی۔ پس اصل وہ ہے کہ اگر قرآن اور سنت کے مطابق تمہارے دل کی آواز ہو جائے یا دل کی آواز کے مطابق تم قرآن وسنت کی باتیں سنو تو یہ حقیقت ہے، اس میں شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ فرمایا:

''پھر انہوں نے اسے قرآن وسنت کے مطابق پایا۔ اور آپ ﷺ نے ہم سے اس کے رفع ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔''

یعنی دوسری حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ نے امانت کے رفع ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلی حدیث میں امانت کی کنہہ بتائی ہے، امانت ہوتی کیا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے وہ رفع کیسے ہوگی یہ ذکر چھیڑا ہے۔

''انسان غفلت کی حالت میں زندگی بسر کرے گا یہاں تک کہ امانت اس کے دل سے اٹھالی جائے گی۔''

اس میں لفظ نومۃ استعمال ہوا ہے اور بعض لوگ سمجھتے ہیں یعنی ترجمہ کرنے والے بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ایک رات سوئے گا اور اٹھے گا تو امانت اٹھ چکی ہوگی۔ یہ نہیں ہوا کرتا۔ یہ اللہ کی سنّت کے خلاف ہے۔

نیند سے مراد غفلت کی نیند ہے۔ ایک انسان جب اپنے حقوق سے غافل رہتا ہے اور غافل رہتا چلا جاتا ہے تو رفتہ رفتہ اس کے دل سے وہ امانت اٹھتی چلی جاتی ہے جو فطرت میں ودیعت ہوئی تھی۔

''اور اس کا معمولی سا اثر باقی رہ جائے گا۔ (یعنی خدا نے جو چیز ودیعت کی ہے وہ اٹھ جائے گی لیکن معمولی سا نشان سا ایک اثر باقی رہ جائے گا) پھر وہ غفلت میں پڑا رہے گا۔''

ایک اور چیز ظاہر ہوگی جو بڑی دلچسپ ہے اور راز دان فطرت کے سوا کوئی اس بات کو بیان نہیں کر سکتا۔ بظاہر مضمون ختم ہو گیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس مضمون کو جاری رکھا ہے۔

''یہاں تک کہ جس طرح پاؤں پر چنگاری گرنے سے آبلہ سا بن جاتا ہے اور اس میں کچھ بھی نہیں ہوتا، معمولی سا پانی سا ہوتا ہے۔ ویسا اثر امانت کا باقی رہ جائیگا۔''

اب اگر امانت مٹ گئی اور کچھ بھی نہ رہی تو یہ آبلہ چنگاری سے پڑنا اور اس کا اثر، اس سے کیا مراد ہے؟ اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے لوگ جب مزید غفلت کی حالت میں زندگی بسر کریں گے تو اپنے دل میں وہ امانت کو اس طرح پائیں گے جیسے آبلہ ہوتا ہے اور آبلے کے اندر گندے پانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ گویا یہ لوگ امین بنتے پھریں گے اپنے دلوں میں سمجھیں گے کہ ہم تو امین ہیں ہمارے دل میں امانت کا مواد موجود ہے اور اکثر لوگ جب غفلت کی انتہا کو پہنچتے ہیں تو بالکل یہی حال ان کا ہو جاتا ہے۔ وہ دُنیا کو دکھانے کی خاطر یا اپنے مفادات کی خاطر ان کے سامنے امین بنتے ہیں جب کہ امانت کا مرکز ان کے دل کا وہ چھالا ہے جس میں گندے پانی کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

''لوگ آپس میں ایک دوسرے سے لین دین کریں گے لیکن کوئی ایسا نہیں ہوگا جو امانت ادا کرے۔''

(صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب رفع الأمانة۔ حدیث نمبر: 6497)

اب جب لین دین کریں گے تو دکھانے کے لئے یہ بھی تو ضروری ہے کہ دوسروں پر اعتماد قائم کیا جائے اور ان کو دکھایا جائے کہ ہم بڑے امین ہیں تب ہی تو لین دین کرتے ہیں اور جب یہ گندہ زمانہ آئے گا تو دل کے چھالے ہوں گے، امانت ہوگی نہیں اور دل کے چھالے دکھانے کی خاطر ہوں گے۔ جس طرح چھالا ابھر کر پھول جاتا ہے اس طرح یہ اپنے دل میں ایک امانت کا ابھرا ہوا مبالغہ آمیز تصور قائم کر لیں گے۔ اور اس کو ظاہر کریں گے کہ گویا ہم امین ہیں۔ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے

لین دین کریں گے لیکن کوئی ایسا نہیں ہوگا جو امانت کا حق ادا کرے جب معاشرہ پہچان لے گا ان کو اور بار بار کے دھوکوں میں مبتلا ہو کر اچھی طرح جان لے گا کہ یہ معاشرہ سارا ہی گندہ ہو چکا ہے کوئی بھی لین دین کا حق ادا کرنے والا نہیں تو پھر وہ کیا باتیں کریں گے۔ کہا جائے گا کہ فلاں قوم میں ایک امین شخص موجود ہے ڈھونڈو اس کو امین ہے کہاں اور جو پہلی حدیث میں نے بیان کی ہے اس کی رو سے امانت ان کو سوائے جماعت احمدیہ کے اور کہیں نہیں مل سکتی۔

پس وہ لوگ جو امین نہیں ہیں اور محض جماعت کے رعب کی وجہ سے بنی نوع انسان کو دھوکا دیتے ہیں ان کو میں چن چن کر جماعت سے نکال رہا ہوں اور بعض لوگ کہتے ہیں بڑی سختی کر رہا ہے۔ بالکل سختی نہیں کر رہا۔ مجھے پتا ہے کہ ایک جماعت ہی تو ہے جو امین ہے اور اگر اس امین جماعت میں گندے لوگ اسی طرح گھسے رہیں تو پھر لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اس لئے جماعت کی طرف رجوع کریں کہ ان کی امانت پر ان کو اعتماد ہو اور ان کا رہا سہا، ان کی ساری پونجیاں پھر بھی ضائع ہوتی چلی جائیں۔ پس یہ امتیاز ہے جماعت کا جس کو قائم رکھنے کی خاطر میں مجبور ہوں کہ جہاں دھوکا دینے والے بد دیانتوں کا علم ہوتا ہے میں انہیں جماعت سے الگ کر دیتا ہوں اور اس معاملہ میں کوئی رعایت نہیں کرتا خواہ اپنا عزیز ہو یا غیر ہو۔ کبھی زندگی بھر میں نے اس معاملہ میں رعایت نہیں کی، نہ آئندہ انشاء اللہ کروں گا۔ اب باقی جو امور ہیں وہ انشاء اللہ اگلے خطبہ میں بیان کئے جائیں گے۔